ہدیہ بہ بارگاہِ رسُول مقبُول صلی اللہ علیہ وسلّم

اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَّیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ (مسلم شریف)

تفسیرِ اُلوُہی

جلد چہارم

پارہ عمّ کے چند رکوعات کی جامع تفسیر

از

حضرت امام المتکلمین و محققین علامہ حافظ محمّد ایّوب صاحب
دہلوی قدس اللہ سرّہٗ

مکتبہ رازی
۱۵۔ شہاب سٹینشن
محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی ۱

ماتحت کس قدر اپنے خالق کی اطاعت کرتا ہے۔

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک جماعت بنا دیتا ولیکن وہ تم کو مخلوقی شعور میں آزمانا چاہتا ہے۔ سوال

اللہ تعالیٰ بندہ کے فعل کا خالق ہے بندہ اپنے فعل کا خالق ہے۔ یہ دو قضیے ہیں ہر ایک دوسرے کے خلاف ہے۔

سوال یہ ہے کہ ان دونوں قضیوں میں تناقض ہے۔ یا نہیں ہے۔ اگر تناقض ہے تو قطعی ہر ایک کا صدق دوسرے کے کذب کو اور ہر ایک کا کذب دوسرے کے صدق کو مستلزم ہے یعنی اگر یہ بات حق ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے فعل کا خالق ہے تو قطعی یہ بات غلط اور کاذب ہے کہ بندہ اپنے فعل کا خالق ہے اور اگر یہ بات حق ہے کہ بندہ اپنے فعل کا خالق ہے تو قطعی یہ بات غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے فعل کا خالق ہے اور اس وقت وہ مایوس کن حیرانی و پریشانی جو ہزارہا سال سے عقول انسانی پر طاری ہے قطعاً باقی رہ جاتی ہے۔ اور کوئی اس سے بچنے کی تدبیر نہیں ہے۔ اور جتنی تدبیریں اس سے بچنے کی کی گئی ہیں۔ وہ سب بے بنیاد اور لغو اور غلط ہیں۔ حیرانی اور پریشانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کی تقدیر پر بندہ مجبور محض ہو کر مدح وذم ثواب و عتاب کا مستحق نہیں رہتا اور اس وقت شرائع کا ابطال لازمی ہے۔ اس جماعت نے اس پریشانی سے بچنے کی تدبیر یہ بتائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فعل سے سوال نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بات قطعی حق ہے اور اتنی روشن ہے جیسے ٹھیک دوپہر کو سورج روشن ہے لیکن جس طرح سورج کی روشنی سے کوٹھری اور تہہ خانہ کی ظلمت اور اندھیرے کی نفی نہیں ہوتی اسی طرح اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ کے فعل سے سوال نہیں ہو سکتا شرائع کے ابطال کی نفی نہیں ہوتی اور

Marfat.com

بندہ اپنے فعل کا مستقل خالق ہے اس میں پریشانی یہ ہے کہ غیر اللہ میں خالقیت کی صلاحیت ہے ہی نہیں ورنہ توحید باطل ہوجائے گی اور کچھ ایسے لوگ ہیں جنھوں نے درمیانی رستہ اختیار کیا لیکن ان کو درمیانی رستہ نہیں ملا۔ یعنی کسب کا لفظ اختیار کیا جس کے معنی غیر مستقل خالقیت کے ہیں۔ یعنی مستقل خالق تو خدا ہی ہے لیکن غیر مستقل خالقیت بندہ کے لئے ثابت کی اور یہ خیال نہ کیا کہ یہ کسب یا وجود ہے یا عدم ہے یا وجود و عدم کے درمیان ہے اور یہ تینوں رستے بند ہیں کیونکہ وجود کی تقدیر پر ایک موجود کا مستقل خالق ہوگیا غیر مستقلی خالقیت کہاں رہی اور عدم کی تقدیر پر نہ مستقل رہا نہ غیر مستقل رہا اور درمیان وجود و عدم جس کا انھوں نے نام حال رکھا ہے۔ اس پر اثر مرتب ہی نہیں ہے۔ کیونکہ اثر کا ترتب تو وجود ہے اور اس حال کی تقدیر پر تمام کائنات [illegible] دارو مدار اسی کسب اور اسی حال پر

ہے تو یہ حال و کسب کیسے درمیانی چیز ہوسکتا ہے۔ الغرض انتہائی پریشانی میں یہ تمام جماعتیں مبتلا ہیں۔ اور آج تک حل تلاش نہ کرسکیں۔ بحمداللہ میں کہتا ہوں کہ یہ قضیہ کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بندہ کے فعل کا خالق ہے۔ اور یہ قضیہ کہ بندہ اپنے فعل کا خالق ہے۔ ان دونوں میں تناقض ہے ہی نہیں۔ کیونکہ دو متقابلوں کا ایک محل میں ایک حیثیت سے اجتماع کا نام تناقض ہے۔ اور یہاں ایک محل نہیں ہے بلکہ دو محل ہیں ایک شعور مخلوقی ایک شعور حقیقی۔ شعور مخلوقی میں بندہ کا اپنے فعل کا خالق ہونا شعور حقیقی میں بندہ کے فعل کا خدا کے خالق ہونے کے منافی نہیں ہے۔ یعنی شعور حقیقی میں بندہ کے فعل کا خالق خدا ہے۔ اور شعور مخلوقی میں بندہ کے فعل کا خالق بندہ ہے اور ان دونوں میں تناقض نہیں ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ [illegible]

Marfat.com

اور وہی ایک شے بصارۃ احولۃ میں دوشی ہیں۔ بصارہ احولہ میں دوحق ہیں۔ اور بصارہ حقیقی میں ایک حق ہے اور ہو سکتا ہے کہ تمام اہل بصر احول ہو جائیں اور اس وقت یعنی عالم آخرت میں دو ہی حق ہوں اور توحید باطل ہو۔ حاصل یہ ہے کہ انسان کو انانیت کا شعور مخلوقی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان میں انانیت کا شعور پیدا کر دیا ہے۔ نہ حقیقی انانیت ہے نہ حقیقی شعور بلکہ مخلوقی شعور ہے۔ اس مخلوقی شعور کے اعتبار سے یہ اپنے آپ کو میں کہتا ہے۔ اور جو افعال اس سے صادر ہوتے ہیں ان کا فاعل اپنے آپ کو سمجھتا ہے۔ اور اسی مخلوقی شعور کے اعتبار سے یہ مکلف ہے اور اسی مخلوقی شعور کے اعتبار سے شرائع اور ان کی جزائیں ہیں یعنی دار عمل، اور دار جزا اسی مخلوقی شعور سے ہیں تو بندہ اس موجود شعور کے اعتبار سے ہیں تو بندہ اس موجود شعور کے اعتبار سے اپنے افعال پر قادر ہے۔ اور اسی اعتبار سے مکلف ہے۔ اور مستحق مدح وذم اور ثواب عتاب ہے اور جس اعتبار سے اللہ تعالیٰ اس کے فعل کا خالق ہے اس اعتبار سے نہ مکلف ہے نہ اپنے افعال کا فاعل ہے۔ نہ مدح وذم ہے نہ ثواب وعتاب ہے کیونکہ جس ظرف ومحل میں اور جس اعتبار سے خدا تعالیٰ فاعل ہے وہ ظرف اور وہ محل اور وہ اعتبار اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے اور ارادے سے مراد جدا ہے نہیں۔ پھر اس مراد کے حاصل کرنے کے لئے امر کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ مراد ارادۂ الٰہی سے حاصل ہو رہی ہے۔ مزید امر کی ضرورت نہیں ہے۔ انسان اپنے افعال کے علاوہ کائنات میں جتنے افعال دیکھ رہا ہے خوب جانتا ہے کہ یہ اس کے افعال نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں۔ اسی طرح اگر وہ اپنے افعال کو بھی خدا تعالیٰ کے افعال جانتا تو وہ ان کو بھی خدا تعالیٰ ہی کے افعال کہتا لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ فرق کرتا ہے

Marfat.com

اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ اس شعور کے ظرف میں یہ اپنے افعال کا فاعل ہے اور اسی شعور کے اعتبار سے مکلف ہے اور اسی شعور کے اعتبار سے جزا ہے۔ اب اگر تو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے فعل کا خالق ہے۔ یہ بات عقلی دلیل اور شرعی دلیل سے ثابت ہو چکی اور بندہ کو یہ شعور ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ اس کے فعل کا خالق ہے۔ تو میں کہوں گا کہ وہ دھوکا ہے جس میں تمام عالم مبتلا ہوگیا۔ یہ شعور بندہ کا حقیقی مخلوقی شعور نہیں ہے بلکہ حقیقی شعور کی حکایت کا مخلوقی شعور ہے۔ اور بندہ کو اپنے فاعل ہونے کا حقیقی مخلوقی شعور ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ احول کو بالیقین یہ معلوم ہے کہ یہ شے ایک ہے۔ اس کے باوجود وہ دو نہیں دیکھ رہا ہے۔ یعنی اس بات کا شعور رکھتا ہے کہ یہ شے

ایک ہے لیکن باوجود اس قطعی شعور کے وہ ایک شے کو دو ہی دیکھ رہا ہے۔ اس کو یقین ہے کہ یہ شے ایک ہے لیکن وہ دو ہی دیکھے جائے گا۔ اسی طرح بندہ کو یہ یقین ہوتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے فعل کا خالق ہے وہ یہ دیکھ رہا ہے۔ اور دیکھ رہا ہے کہ میں اپنے فعل کا فاعل ہوں اور میں اپنے فعل کے حسن و قبح مدح و ذم ثواب عقاب کا ذمہ دار ہوں۔ اب اگر تو یہ کہے کہ احول دو دیکھنے پر مجبور ہے اور یہاں تم بندے کو فاعل مختار کہتے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح احول دو دیکھنے پر مجبور ہے اسی طرح یہ بھی ہیں کہ جب وہ اپنے اختیار سے دیکھتا ہے تو دو ہی دیکھتا ہے۔ اور دو دیکھنے پر اس کو مجبور پاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے کہ جب اپنے اختیار سے فعل کرتا ہے تو اپنے آپ کو فاعل مختار پاتا ہے پر مجبور پاتا ہے۔ یعنی جس طرح وہ دو دیکھنے پر مجبور ہے۔ اسی طرح یہ اپنے آپ کو فاعل مختار پانے پر مجبور ہے۔ اور جس طرح احول کا ایک شے کی طرف التفات کرنا اور دیکھنا اختیاری ہے اور اس شے کا دو دکھائی دینا مجبوری ہے اسی طرح یہ بھی ہے کہ ایک فعل کرنا اختیاری ہے اور اس فعل کا ہونا مجبوری ہے۔ یعنی جو اپنے اختیار سے

Marfat.com

سے فعل کرنے پر مجبور ہے۔ جس طرح احول اپنے اختیار سے ایک شے کو دو دیکھنے پر مجبور ہے۔ تنبیہ جو علم اور جو شعور نظر و استدلال سے حاصل ہوتا ہے اور کسب سے حاصل ہوتا ہے وہ علم و شعور اختیاری ہوتا ہے۔ اور جو علم و شعور بغیر نظر و استدلال اور بغیر کسب کے حاصل ہوتا ہے۔ وہ جبری اور اضطراری ہوتا ہے۔ تو انسان کو اپنے مختار ہونے کا علم و شعور جبراً و اضطراراً حاصل ہوا ہے اپنے مجبور ہونے کا علم اختیار و کسب سے حاصل ہوا ہے تو گویا مجبور ہونے پر مختار ہو گیا۔ اور مختار ہونے پر مجبور ہو گیا۔ اور اس وقت ضابطہ یہ ہے کہ ایمان جبر پر ہوگا اور عمل اختیار پر ہوگا۔ یعنی ایمان لانا پڑے گا۔ کہ اللہ میرے ہر فعل اختیاری کا خالق ہے۔ اور عمل اس بات پر ہوگا کہ میں اپنے ہر فعل اختیاری پر قادر اور مختار ہوں۔ تاکہ شرائع اور نبوۃ اور مدح و ذم اور ثواب و عتاب باقی رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ہر فعل کا خالق ہونا ثابت رہے۔ تو جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے وہ خسارے اور ٹوٹے سے بچ گئے۔ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ اور باہم ایک دوسرے کو حق کی وصیت اور حکم دیتے رہے اور باہم ایک دوسرے کو صبر کی وصیت اور حکم کرتے رہے۔

اسلام اصلاح انفرادی و اجتماعی ساتھ ساتھ چاہتا ہے۔ ایمان اور عمل صالح، صفات انفرادی لازمی کمال کے ہیں اور تواصی بالحق اور تواضی بالصبر صفات ملّی و اجتماعی کمالات متعدی ہیں ان کا حکم دیا۔ ساری عمر جو اللہ کی نعمت ہے تحصیلِ علم اور تکمیل میں صرف ہونی چاہیئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِىْ
يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝
فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ
سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝

ترجمہ: تم نے دیکھا اس شخص کو جو دین کو جھٹلاتا ہے۔ یتیم کو بے عزتی سے دھکے دے کر نکال دیتا ہے اور مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ پس افسوس ہے ویل ہے ان نمازیوں پر جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں بھولے ہوئے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو دکھاوا کرتے ہیں اور معمولی برتنے کی چیزوں کو بھی (خدا کے نام پر) دینے سے روکتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ کیا پہچانا آپ نے اس شخص کو جو مکذب دین ہے یا دین کو جھٹلاتا ہے۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ دین سے مراد یا تو دین اسلام ہے یا یوم حساب و کتاب جزا و سزا کے ہیں یہ دو معنی یہاں لگتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو جھٹلاتا ہے۔ یہ دراصل علامت بتلائی گئی ہے۔ سبب بتایا ہے۔ مکذب دین کی کہ یتیم کو بے عزتی سے دھکے

Marfat.com

دے کر نکال دیتا ہے مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا اور معمولی معمولی چھوٹی چھوٹی روزانہ استعمال کی چیزیں بھی خدا کی راہ میں دینے سے روکتا ہے۔

اب یہ سمجھنا ہے کہ یہ تینوں باتیں دین کی تکذیب کیونکر ہیں اور دین سے ان کا کیا ربط ہے۔

یتیم اس بچے کو کہتے ہیں جس کا باپ مرگیا ہو اور جانوروں میں وہ بچہ جس کی ماں مرجائے یتیم کہلاتا ہے یعنی مربی سے محروم بچے کو یتیم کہتے ہیں۔ مسکین ایسے شخص کو کہتے ہیں جو کمائے اور اس کا گذارہ نہ ہو۔ اور جو کچھ نہ کماسکے وہ مسکین نہیں ہے۔ ثبوت آیت ام السفینۃ فکانت لمساکین سے یہ ثابت ہے کہ کشتی مسکینوں کی تھی۔ بہرحال کشتی کی کچھ نہ کچھ (دیکھئے ۷۹) قیمت تھی وہ سرمایہ تھا یعنی ایسا سرمایہ دار جس کا گذارہ نہ ہوسکتا ہو مسکین کہلاتا ہے اور جس کے پاس بالکل سرمایہ نہ ہو فقیر کہلاتا ہے۔ اس کو مسکین نہیں کہتے۔

دین کیا ہے: دین اور مذہب ایک ہی چیز ہے دونوں لفظ بولے جاتے ہیں۔ مذہب مشتق ہے ذہب سے جس کے معنیٰ چلنا جانا ہیں۔ تو مذہب چلنے کی جگہ ہوئی جس جگہ چلیں گے وہ ہی جگہ مذہب کہلائے گی مگر انسان چلتا ہے جانور بھی چلتے ہیں۔ ہوا پانی بھی چلتے ہیں تو چاہیئے کہ سب کے لئے مذہب ہو۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ دین سے مراد یہ مذہب نہیں ہے جسمانی مسافت طے کرنا مراد نہیں ہے۔ مذہب صرف انسان کے لئے خاص ہے۔ وہ انسان اور جانور اور دیگر چیزوں میں مشترک

Marfat.com

نہ ہوگی بلکہ ممتاز ہوگی انسان کیلئے انسان حیوان اور غیر ذی روح میں امتیاز کی علت صرف عقل ہے تو مذہب کا مطلب ہوا عقل کے چلنے کی جگہ۔ عقل جس جگہ چلے اس کو دین کہتے ہیں۔

حرکت یا چلنا کیا ہے:

چلنا حرکت ہے۔ جسم کا ایک مکان کو چھوڑنا اور دوسرے مکان میں پہنچنا۔ اس کا نام حرکت ہے۔ اسی کو طلب بھی کہتے ہیں۔ طلب اور حرکت انسان اور غیر انسان میں یکساں پائی جاتی ہے سب برابر حرکت کر رہے ہیں۔ سب کا مقصد ایک ہی ہے۔ مقصد سے یہ مطلب نہیں ہے کہ مقصود بالذات ایک ہے مقصود بالذات ایک نہیں ہے۔ نفس حرکت متنفی ہے اس امر کی کہ ایک جگہ کو چھوڑے اور دوسرے تک پہنچے۔ انسان انسانی حیثیت سے حرکت کر رہا ہے۔ بانور حیوانی حیثیت سے۔ مگر حرکت بالذات مقصود نہیں ہے۔ یہ مادی حرکت مذہب نہیں ہے بلکہ مذہب سے مراد روحانی حرکت یا طلب ہے یہ انسان کے ساتھ خاص ہے۔ یہی عقل کے چلنے کی جگہ ہے اسی کو مذہب یا دین کہتے ہیں۔ طلب بھی یہی ہے کہ ایک جگہ سے بھاگتا ہے دوسری جگہ پہونچتا ہے قبح کو چھوڑتا ہے۔ حسن تک آتا ہے۔ حرکت کا نقطہ اوّل یعنی مبدا قبح ہے اور نقطہ ثانی یعنی وصل حسن ہے قبح کو چھوڑتا ہے۔ حسن تک آتا ہے۔ درمیانی مسافت حرکت کہلاتی ہے۔ حسن و قبح دائمی ہو یا عارضی اس جہان میں ہو یا اس جہان میں کہیں بھی ہو حرکت کی علت قبح کو چھوڑنا اور حسن تک پہنچنا ہے مطلق حسن و قبح علت حرکت ہے۔ آپ دیکھیں ہر جگہ یہی ہو رہا ہے

Marfat.com

تجارت میں . عبادت میں . کاروبار میں، دین کے ہوں یا دنیا کے ہر جگہ قبح سے حسن تک پہنچ رہا ہے، مثلاً خریدار دوکاندار سے قیمت دریافت کرتا ہے۔ اور کمی بیشی کی بحث چھڑ جاتی ہے۔ جب تک گاہک کو اپنے پیسے کا حسن اور دوکاندار کو اپنے مال کا حسن نظر آتا ہے، معاملہ طے نہیں ہوتا مگر جوں ہی دوکاندار کو اپنے مال کا قبح پیسے کے مقابلے میں اور خریدار کو اپنی رقم کا قبح شے کے مقابلے میں نظر آتا ہے، فوراً معاملہ طے ہو جاتا ہے، وہ جیب سے رقم نکال کر دوکاندار کے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے اور دوکاندار مال لپیٹ کر خریدار کے حوالے کر دیتا ہے۔

یہ حُسن و قبح کیا شے ہے: ایک تو حسن و قبح وہ ہے جو شبہ اور شہوت کے تابع ہے۔[1] جسمانی مطلوب چیز اور حسن کی طرف لے جانے والی شے شہوت کے تابع ہوتی ہے اور اسی سے تمام معاصی گناہ اور فسق و فجور پیدا ہوتے ہیں۔ اور روحانی مطلوب چیز کی طرف عقل کو لے جانے والی شے شبہ کے تابع ہوتی ہے یہی بنیاد ہے تمام بدعقیدگی اور باطل مذاہب کی۔ یعنی جو حرکت شہوت اور شبہ کے تحت ہو گی۔

---

[1]: جو شے روحانی مطلوب شے یعنی حسن کو عقل کی طرف لے جا رہی ہے وہ شبہ ہے اور جو شے جسمانی مطلوب شے یعنی حسن کی طرف عقل کو لے جا رہی ہے وہی شہوت ہے اور

اس کے راستے میں جو رکاوٹ آتی ہے اس کی مدافعت جو شے کر رہی ہے اس کو غضب کہتے ہیں۔

Marfat.com

اصل دین یا مذہب نہیں ہے۔

شبہہ کے کیا معنی ہیں: ایک شے کا دوسری شے کے ساتھ اس طرح مشتبہ ہونا کہ دوسری شے کو پہلی شے سمجھ لے۔ تاآنکہ اگر اچھی معلوم ہو تو اس کو اختیار کرلے اور بری معلوم ہو تو اس کو ترک کردے۔ خواہ واقع میں اس کے خلاف ہی ہو۔ جیسے کہ آم کے رس کو بعض نفیس طبع حضرات اس لئے استعمال نہیں کرتے کہ اس کی شکل بچہ کی نجاست سے مشابہ ہوتی ہے اور ان کو کراہت پیدا ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ نفیس شے ہے۔ اسی طرح عقائد حقہ ہیں کہ بعض بنیادوں پر ایسی چیزوں کے ساتھ مشتبہ ہو گئے ہیں کہ ان میں کراہت پیدا ہو گئی ہے یہ یاد رکھئے کہ یہ کراہت ہمیشہ پہلے سے متصور ہوتی ہے گندے خیالات پہلے سے دماغ میں موجود ہوتے ہیں اور حق خیال جب ان کے مشابہ ہوتے ہیں تو وہ ان گندے خیالات سے مشتبہ ہو کر بدعقیدگی پیدا کرتے ہیں۔ یہی علت ہے غلط مذاہب کی جتنے کفر کے مذہب ہیں سب اسی شبہہ کی بنیاد پر ہیں۔ مثلاً خدا کے متعلق یہ خیال کیا کہ وہ بڑی عظیم الشان ہستی ہے بڑی قدرت کاملہ ہے اور دیکھا اور غور کیا کہ وہ ہر ہر شے پر قادر ہے کوئی شے اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے تو قدرت کی تعمیم دماغ میں جم گئی اور حکماء اور فلسفی ہیں خواہ مسلم ہوں (مثلاً علماء اعتزال) یا غیر مسلم۔ یہ غلط عقیدہ پیدا ہو گیا اور دھوکا لگ گیا کہ خدا اپنی مثال پر بھی قادر ہے۔ مثال پر بھی قادر ہے اس سے نقصان پیدا ہونے لگا۔ کیونکہ قدرت کا محل تو

Marfat.com

صرف ممکن بیں تھا۔ جہاں ممکنات ہیں وہاں قدرت کارفرما ہے۔ ممتنع واجب اور محال پہ قدرت لاگو ہی نہیں ہے۔ کثرت خیالات کی بنا پر یہ مشتبہ ہو گیا۔ اسی طرح روپے کی محبت ہے۔ یہ دیکھتے دیکھتے کہ ہر شے روپے سے حاصل ہوتی ہے لوگوں کو یہ شبہ دل میں بیٹھ گیا کہ اصل مقصود روپیہ ہے حالانکہ یہ صرف مقصود کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ مگر مقصود سے ہٹ کر ذریعہ یعنی روپیہ سے محبت ہو گئی۔ سکہ کو انسانی زندگی میں کوئی دخل نہیں ہے۔ مقصود آسائش اور کھانے پینے کی اشیاء کی فراہمی ہے اور روپیہ ان مقاصد کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے مگر آسائش کھانا پینا سب سے محبت ہٹ گئی اور روپیہ سے محبت ہو گئی۔ یہ روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ انسان روپیہ کے حصول کے لیے کھانا پینا اور اپنی تمام آسائشیں ترک کر دیتا ہے۔ اور اس کو حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ روٹی اور دونّی دونوں فقیر کو پیش کیجئے کہ ایک چیز لے لو۔ وہ روٹی ہرگز نہیں لے گا فوراً دونّی اٹھالے گا۔ کیونکہ وہ دل سے سمجھتا ہے کہ روٹی کا مالک ہونا صرف روٹی کا مالک ہونا ہے اور دونّی کا مالک ہونا روٹی اور غیر روٹی کا مالک ہونا ہے۔ مقصود چیزوں کا مالک ہونا ہے۔ اور کل کائنات کا مالک ہونا افضل ہے۔ ایک کائنات کے مالک ہونے سے۔ اس طرح پیسے سے محبت ہو گئی۔ یہ ہے دل کی حالت، بار بار منقلب الولت اور مشق سے ایک ایسا راسخ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جو کبھی نہیں مٹتا۔ آپ نے مسجدوں میں دیکھا ہوگا کہ بارش کے بعد سائبان سے بوندیں ٹپک ٹپک کر نیچے کے فرش پر گھاؤ اور گڑھے

پڑھ جاتے ہیں۔ مگر بڑے بڑے طوفانوں کے گذر جانے کے بعد اس کے اثرات بھی زائل ہو جاتے ہیں۔ بتلانا یہ مقصود ہے کہ کثرت اعمال ایک راسخ ملکہ کا موجب ہوتی ہے اور ایک مضبوط کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ افضل عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جائے تو اوپر کے بیان سے یہ ثابت ہوگیا کہ یہ بات حق ہے۔ دو رکعت نماز جس پر مداومت کی جائے زیادہ موثر اور افضل ہے اور قلب میں زیادہ روشنی پیدا کرتی ہے بہ نسبت کبھی کبھی کی پانچ سو اور ہزار رکعت سے۔ تو یہ شبہ ایسی بری چیز ہے کہ اس شبہ کی بنا پر تمام کائنات انسانی تباہ ہوگئی صرف قلیل جماعت رہ گئی۔

ان شبہات کے کھولنے کا کیا طریقہ ہے:

یہ طریقہ قرآن میں ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ:

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا (۲۵/۳۳)

وہ کوئی ایسا شبہ یا اعتراض بیان نہیں کر سکتے جس کا صحیح جواب ہم بہترین پیرائے میں بیان نہ کر دیں۔ جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ صحیح جواب احسن تفسیر بہترین پیرایہ۔ یہاں یہ بات اور سمجھ لیں کہ انسانیت اور عقل ایک چیز ہے۔ انسانیت اور عقلِ انسانی تمام انسانوں میں مشترک ہے اور ایک ہے۔ ایک شے کا مقصد بھی ایک ہی ہے۔ صرف حاصل کرنے کے ذرائع یعنی مذاہب الگ الگ ہیں۔ دین اور مذہب اور مقصود بالذات الگ الگ شے ہوئیں مقصود بالذات ایک ہے اور اس کے حصول کے ذرائع خواہ شبہ میں ہوں یا

Marfat.com

حقیقی۔ ان میں اختلاف ہے ہر شخص اپنے مذہب کو نجات کا ذریعہ تصور کرتا ہے اور اس کو سچّا جانتا ہے۔ کوئی ایسا نہیں ہے جو اپنے مذہب کو جھوٹا جانتا ہو اور سچّا کہتا ہو، سب یہی سمجھتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں۔ اس بحث سے یہ ثابت ہوا کہ مقصود بالذات کے حاصل کرنے کے صحیح ذریعہ کو دین یا مذہب کہتے ہیں اور غلط ذریعہ کو دینِ مقید کہتے ہیں۔ مثلاً دینِ یہود، دینِ نصاریٰ۔

مقصود بالذات کیا شے ہے: جس کے لئے انسان پیدا ہوا ہے، مطلق مقصود بالذات وہ شے ہے جس میں حسن ہو سکون ہو۔ حسن طبیعت کی مناسبت کا نام ہے بناؤ میں سکون ہے۔ حرکت میں۔ عمل میں شور شغف ہے۔ حرکت کا مقصد حسن ہے تو مقصود بالذات حرکت نہیں حسن ہے۔

اب حسن کیا شے ہے: قوت دراکہ کے اتصال اور حس سے جو حسن مدرک ہو رہا ہے، اصل میں وہ مقصود بالذات نہیں ہے۔ حسن میں کتنی ہی قوت ہو۔ وہ مقصود بالذات نہیں ہے کہ اپنا بچّہ ہی حسین معلوم ہوتا ہے خواہ کتنا ہی بدصورت ہو اور دوسرے کا بچّہ کسی قدر حسین ہو مقابلے میں اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ جس سے جو حُسن مدرک ہو رہا ہے۔ وہ اگر مقصود انسانی ہوتا تو انسان کے لئے خاص ہوتا۔ انسان اور غیر انسان میں مشترک نہ ہوتا اور یہ حسن انسان اور غیر انسان میں مشترک ہے۔ مثلاً کان سے خوش آئند، آواز، ناک سے خوشبو، زبان سے لذّت وغیرہ یہ حسی حسن تقاضائے

Marfat.com

انسانی نہیں بلکہ اس حیوان کا تقاضا ہے جو انسان کے اندر موجود ہے۔ اس میں خرابی یہ ہے کہ ادراک میں تو حسن ضرور ہے مگر واقع میں نہیں معلوم حسن ہے یا نہیں۔ مثلاً کھانے پینے کی نفیس چیزیں ذائقہ میں تو حسن رکھتی ہیں۔ مگر جزو بدن بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔ قلیل حصّہ جزو بدن بنتا ہے۔ زیادہ بول و براز کی شکل میں خارج ہو جاتا ہے۔ اور اس کا خارج ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ خارج نہ ہو تو ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔ حس یہ تو بتاتی ہے کہ اس کا شروع اچھا ہے لیکن عاقبت کا کچھ پتہ نہیں دیتی۔ یہ کام عقل کا ہے عقل یہ بتاتی ہے کہ جس شے کا اوّل و آخر اچھا ہو وہ حسن ہے اور وہی مطلوب ہے۔ مقصود انسانی وہ سکھ اور وہ راحت ہے جس میں ذرہ بھر دکھ اور تکلیف نہ ہو۔ یعنی جس شے میں حسن ہی حسن ہو حسن سے زائد کوئی شے نہ ہو۔ حسن ہو حسین نہ ہو۔ حسین وہ شے ہے جس کو حسن عارض ہوا ہو۔ جہاں عارضہ ہٹا اور قبح ہی قبح رہ جاتا ہے۔ مثلاً کھانا کا انجام نہایت بدبودار گندی شے۔ دیوار پر پلاسٹر لگایا حسین ہو گئی۔ پلاسٹر ہٹتے ہی اس کا عیب ہی عیب ظاہر ہوگا۔ اصل میں کسی خاص مقصد کے حصول کے لئے یہ حسن آراستہ کر دی گئی ہیں تھوڑی سی لذت کی آمیزش سے حسن کا ملمع کر دیا گیا۔

آیت: زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ (آل عمران ۱۴)

ہم نے عورتوں، مال، جاہ، دولت، ان کو مزین کر دیا ہے۔ تھوڑی سی لذت یا حسن سے۔ تاکہ انسان اس کو استعمال کر سکے ورنہ اس عالم میں کوئی

Marfat.com

شے ایسی نہیں ہے۔ جو حسن ہی حسن ہو۔ یہاں کی اشیا صرف ملمع کی ہوئی اور مزّین کی ہوئی ہیں۔ اور عقل نے یہ بتایا کہ مقصود بالذات وہ حسن ہے جس میں قبح نہ ہو، حسن ہی حسن ہو۔ ایسی راحت جس میں دکھ کا ذرّہ برابر شائبہ نہ ہو جس کا اوّل بھی اچھا ہو اور آخر بھی۔ انجام یا عاقبت بھی اچھی ہو۔ اور ایسی شے اس کائنات میں نہیں ہے۔ کھانے پینے کی اشیاء کو آپ نے دیکھا کہ نہایت لذیذ خوش نما اور خوشبو والی ہوتی ہیں۔ لیکن ان کا انجام نہایت گندہ بدبودار ہوتا ہے۔ یہ وہی چیزیں ہیں جو نہایت رغبت سے کھائی گئی تھیں۔ ان کا جزو قلیل تو غذا اور جزو بدن بن سکا۔ باقی کا خارج کرنا ضروری ہوا اس عالم میں کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کے کل اجزا حسن ہوں۔ اگر کل اجزا حسن ہوتے تو بول و براز کی شکل میں خارج نہ ہوتے۔ یہ لذّت جس سے یہ اشیاء مزین کی گئی ہیں وہ کھانے پینے کا ذریعہ بنی ہے۔ جب یہ اشیاء خود حُسن نہیں ہیں تو ذریعے بدرجہ اولیٰ غیر حسن ہیں۔ اس جہاں میں کہیں خالص لذّت نہیں ملے گی۔ نہ وہ مل سکتی ہے۔ کیونکہ ایسی راحت جس میں دکھ کا شائبہ نہیں۔ ایسی لذت جس میں کمی نہ آسکے۔ ایسا حسن جس کا اوّل و آخر دونوں حسن ہوں وہ لا محدود ہیں اور یہ عالم محدود ہے۔ غیر محدود شے محدود شے میں کیونکر آسکتی ہے۔ اس عالم میں وہ ممکن نہیں ہے اور اس کا ہونا ضروری ہے ورنہ انسانیت کا فائدہ کیا ہوا۔ ورنہ انسان اور حیوان برابر ہو جائیں گے۔ نتیجہ یہی نکلا کہ وہ کسی دوسرے عالم میں ہے اس مکان میں نہیں ہے۔ دوسرے مکان میں ہے۔ اور اس مکان میں پہنچنے

Marfat.com

کا جو راستہ ہے۔ وہی دین ہے۔ وہی مذہب ہے۔ اسی کو بتلانے کے لئے تمام انبیا تشریف لائے اور انھوں نے بتایا کہ یہاں دو چیزیں ہیں۔ ایک دُکھ دوسرا سُکھ اور تم جس کو سُکھ سمجھ رہے ہو وہ دراصل سُکھ نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں دُکھ موجود ہے اور اس کے حاصل کرنے کے لئے مادہ اور مدت کی ضرورت ہے جب تک وہ نہ ہوں سُکھ حاصل نہیں ہو سکتا تو سکھ حاصل کرنے کے لئے مادہ سامان اور مدت کے حصول تک انتظار کرنا ہوگا اور انتظار کا دور خود تکلیف اور اذیت ہے۔ اصل مقصود ایسا سکھ ہے جس میں انتظار نہ ہو۔ مادہ اور مدت کی ضرورت نہ ہو۔ ایسا سکھ جس میں ذرہ برابر دکھ کا شائبہ نہ ہو۔ اس جہان میں کہیں نہیں ہے۔ وہ کسی دوسرے جہان میں ہے اسی لئے فرمایا۔ آیت: لَهُمْ مَا يَشَآءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ۝ (ق - ۳۵) جو جی چاہے وہ فوراً ملے گی بغیر مادہ اور مدت کے تمھاری خواہشات کے مطابق تمھاری آسائشوں کو کر دیا ہے اور جو ہمارے پاس ہے وہ علیحدہ دیں گے۔ اس کا تم کو شعور بھی نہیں ہے جو چاہو گے فوراً ہوگا اور ہمارے پاس بہت ہے۔ اس میں سے بھی ہم تم کو دیں گے۔

یہ دنیا صرف دارالعمل ہے۔ دارالجزا نہیں ہے۔ اگر دارالجزا ہوتا تو چوبیس گھنٹہ لذت میں مبتلا رہتا۔ ایک منٹ بھی لذت اس سے الگ نہ ہوتی۔ مگر یہاں ایسا ممکن نہیں ہے۔ اگر ایسا کرے گا تو ہلاک ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کاروبار میں دل لگتا ہے اور کھانے پینے میں جو جزا ہے اس میں دل کم لگتا ہے

اس جہان میں آخر تک عمل کرنا چاہیئے۔ مرتے دم تک دارالعمل ہے۔ دارالجزا نہیں ہے۔ عمر کا جو حصہ باقی ہے وہ زیادہ قیمتی ہے کہ جنس جس قدر مقدار میں

Marfat.com

کم ہوتی ہے اتنی ہی زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ جو وقت گزر گیا وہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ مستقبل غیر یقینی ہے۔ صرف وہ آن جو موجود ہے کار آمد ہے اور جس آن میں انسان یہ سمجھ گیا کہ خالق ارض و سماوات نے اسے کیوں پیدا کیا ہے۔ سعادت نصیب ہو گئی یہ معلوم کر لینا ہی ابدی سعادت کے لئے کافی ہے۔

اس عالم میں جتنے غلط مذاہب اور بدعقیدے پیدا ہوئے ہیں سب شبہہ کی بنیاد پر ہوئے ہیں اور جتنے معاصی، گناہ، فسق و فجور ہیں۔ سب شہوت کی بنیاد پر پیدا ہوئے ہیں۔ اصل دین وہی ہے جو نبیؐ کی تلقین اور حسی مشاہدہ سے ہوا ہے۔ قرآن کی تعلیم اور دلائل سب حسی ہیں۔ کیونکہ نبیؐ اور کم سے کم عقل کا آدمی دونوں قرآن پر عمل کرنے کے مکلف ہیں اور نبی اور کم سے کم عقل کے آدمی میں جو قوت مشترک ہے وہ صرف قوت مشاہدہ اور حسیہ ہے۔ اگر یہ علم عقلی ہوتا تو دوسرے عقلی علوم کے سمجھنے میں جو دشواریاں پیدا ہوتیں وہی الجھنیں اس میں بھی پیدا ہوتیں اور یہ اس کا بڑا فضل ہے۔ ورنہ صرف ارباب عقل ہی سمجھتے۔ اس لئے مشترکہ قوت حسیہ کی بنیاد پر تمام دلائل ہیں تاکہ کسی کے لئے حجت باقی نہ رہے۔ اس میں دقیق باتیں نہیں ہیں۔ موٹی موٹی باتیں ہیں۔ ہر جگہ فرمایا۔ اَلَمْ یَرَوْا ۔ کیا تم نہیں دیکھتے۔ قل انظروا۔ کہو کہ دیکھو۔ کیا تم غور نہیں کرتے۔ اس قسم سے خطاب ہے۔ (یونس۔ ۱۰۱) (یٰسین۔ ۳۱)

اسے سمجھ لیجئے کہ یہاں تین باتیں ہیں۔ حاجت، ضرورت اور راحت حاجت کا مطلب یہ ہے کہ جس شے کی حاجت ہے۔ اگر وہ نہ ہو تو اس شے کے نہ ہونے سے دکھ ہو۔ ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ جس شے کی ضرورت ہو۔ اگر وہ نہ ہو تو ہلاک ہو جائے۔ مثلاً کھانا پینا وغیرہ تو ضرورت کی اشیاء ہر مستحق کو پہنچتی

Marfat.com

ہیں۔ مثلاً روزی۔ گھروں میں دیکھا ہوگا کہ عورتیں شوہر، لڑکا وغیرہ جو وقت پر موجود نہیں ہے۔ دیر سے آئے گا۔ اس کا کھانا چھینکے پر لٹکا دیتی ہیں تاکہ بلّی، کتّا، چوہا اس تک نہ پہنچ سکے اور خراب نہ کر دے۔ اسی طرح خداوند عالم فرماتا ہے کہ تمھاری روزی تو میں نے آسمانوں پر لٹکا رکھی ہے تاکہ کسی غیر مستحق کا ہاتھ اس تک نہ پہنچ سکے۔ تم گھبراتے کیوں ہو۔ تمھاری روزی تم کو مل کر رہے گی۔ اب اگر تم یہ کہو کہ جب ہماری روزی ہم کو پہنچ کر رہے گی تو پھر ہم جد و جہد کیوں کریں۔ ہمیں چھینکے سے اتارنے کے لئے جتنی مشقت کرنا پڑتی ہے وہ تو کرنا پڑے گی۔ جو قانون اتارنے کا بتایا ہے اس پر عمل کرنا ہوگا۔ ماں نے یہ بتایا کہ چھینکے سے پتھر مار کر مت گرانا بلکہ سیڑھی پر چڑھ کر یا ہاتھ اونچا کر کے اتارنا۔ تو اتنی مشقت ضرور کرنا ہوگی اور اگر کلی طور پر اس پر بھروسہ کر لیا جائے تو جس طرح ماں بچے کے لئے خود اٹھتی اور چھینکے سے اتار کر کھانا پہنچاتی ہے وہ شفیق ماں باپ سے زیادہ ہے۔ وہ خود پہنچائے گا۔ دلیل اس بات کی یہ ہے کہ نوزائیدہ بچے جن کا کلی بھروسہ خدا پر ہوتا ہے۔ ان کے لئے بہترین غذا دودھ ہے جو جامع ہے۔ کھانے اور پینے کی یہ نعمت عظمیٰ ہے ساری عمر اس پر زندہ رہ سکتا ہے۔ وہ ان ارباب توکل کے لئے مہیا کی اس طور پر کہ جب ضرورت ہوتی ہے اس سوت کو بھرا پاتے ہیں۔ ادھر منہ کیا تو دودھ موجود ادھر منہ کیا تو دودھ کپوں میں بھرا موجود ہے۔ بڑے بڑے اندازے کنوئیں خالی ہو جاتے ہیں مگر یہ سوتیں ہمیشہ بھری پاتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ ایک کی روزی میں نے اپنے ہاتھ میں رکھی تھی اور میں یونہی پہنچاتا رہتا۔ مگر تم نے ضد کر کے مجھ سے لے لی۔ تم نے اپنے قوت اختیاری کو دخل دیا اور اپنے ہاتھ میں کیوں لے لی۔ خیر اب

Marfat.com

لی ہے تو لئے رہو۔ اگر اب بھی میرے رائے کے مطابق تقسیم کر دگے تو تم کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اسی کا نام خلافت اور نبوت ہے دنیا میں جو بے چینی اور بے اطمینانی پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ اس کی رائے کے مطابق تقسیم نہیں ہو رہی ہے۔ یہ جو دھوکا لگ گیا ہے کہ مردم شماری بڑھنے سے غذا میں کمی آجائے گی بے بنیاد ہے۔ کیونکہ نظام قدرت یہ ہے کہ جتنا خرچ کرو گے اتنا ہی بڑھے گا۔ پانی سے سمندر بھرے ہیں۔ کنویں کا پانی جتنا خرچ کرو گے بڑھتا جائے گا۔ درخت کو کاٹتے جاؤ بڑھتا جائے گا۔ لیکن اس کے بھی طریقے بتا دیئے ہیں کہ اوپر اوپر سے کاٹنا۔ جڑ سے مت کاٹنا ورنہ ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح رزق کے بھی خزانے بھرے ہیں کسی شے کی کوئی کمی نہیں ہے۔

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ کیا آپ نے پہچان لیا مکذّب دین کو کتنے تعجب کی بات ہے کہ باوجود اتنے بیّن دلائل کے ہوتے ہوئے ایمان نہیں لاتے پہچانا آپ نے اس شخص کو جو مکذب دین ہے بڑا تعجب ہے۔ اس میں مبالغہ ہے کہ باوجود اتنے بیّن دلائل ہونے کے پھر خدا کے وجود سے انکار کرتا ہے اور اس کی علامت یہ بتائی کیونکہ وہ یتیم کو دھکّے دیتا ہے اور اس کو کھانا نہیں کھلاتا یتیم انسانوں میں اس بچّے کو کہتے ہیں جس کا باپ نہ ہو اور جانوروں میں جس کی ماں نہ ہو کیونکہ وہ بچّے کی پرورش کرتی ہے تو ایسے بچّے کا جس کا مربّی کوئی نہ ہو اس کو دھکّے دے کر نکال دیتا ہے اور اس کو کھانا نہیں کھلاتا۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مفسرین ابوسفیان کے سلسلے میں بتلاتے ہیں کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ وہ دو اونٹ ہر ہفتے ذبح کیا کرتا تھا۔ مگر یتیم کو نہیں دیتا تھا۔ بعض ولید کے بارے میں بتاتے ہیں۔ اس طرح

چار نام ہیں بعض ابوجہل کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ آیت اتری۔ واقعہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بچہ ابوجہل کا وصی تھا۔ یعنی اس کا باپ مرتے وقت اس کو ابوجہل کے سپرد کر گیا تھا کہ اس کی دیکھ بھال کرنا۔ وہ ننگا تھا۔ جب کپڑا مانگنے گیا تو ابوجہل نے اس کو دھتکار دیا۔ تو اکابر قریش نے اس سے استہزاً کہا کہ تو محمد (صلعم) کے پاس جا وہ تجھ کو دلوا دیں گے۔ وہ بچہ تھا اُسے معلوم نہ تھا کہ ابوجہل تو ان کا سخت دشمن ہے اور حضورؐ کی شان یہ تھی کہ وہ اپنی ذات کو تکلیف میں ڈال کر بھی غریبوں کی مدد فرماتے تھے چنانچہ جب وہ بچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ فوراً اٹھے اور ابوجہل کے پاس اس کو لے کر گئے ابوجہل نے آپ کو خوش آمدید کہا اور آپ کی سفارش پر اس کو بہت سا مال دیا۔ اکابر قریش نے اس کو طعنہ دیا کہ تو تو محمد (صلعم) کا بڑا دشمن تھا اب ان کا معتقد اور مرید ہو گیا۔ بے دین ہو گیا تو اس نے کہا ایسا نہیں ہے بلکہ ایک خفیہ نیزہ ایک پوشیدہ برچھا میرے سامنے لگا ہوا تھا میں دیکھ رہا تھا کہ اگر میں نہ دوں تو فوراً ہلاک ہو جاؤں اس ڈر سے میں نے کہنا مان لیا اور دے دیا۔ اللہ پاک نے بتایا کہ مکذب دین کون ہے جو یتیم کو جھڑکتا ہے اور غریب مسکین کو دھکے دے کر نکال دیتا ہے اور خود نہ دے نہ دے وہ اتنا ظالم ہے کہ دوسرے کو بھی منع کرتا ہے کہ اس کا مال بھی خراب نہ ہو۔ اصل میں اس کو مال سے محبت ہے چاہے اس کے پاس ہو یا کسی اور کے پاس مال کیا ہے۔ یہی دنیا ہے حب مال ہی حب دنیا ہے۔ یہ علامت بڑی اچھی ہے۔ اسی لئے رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تمام مصیبتوں اور گناہوں کی جڑ حب مال ہے، حب دنیا ہے اور دنیا ادنیٰ کا مونث ہے۔ جیسے الفر کا لفرٰی۔ اعلیٰ کا علیا۔ اسی طرح ادنیٰ کا مونث دنیا ہے اور تانیث تذکیر

Marfat.com

کمزور ہوتی ہے۔ ادنےٰ اور دنیا کی تمام چیزیں عقبے سے ادنیٰ ہیں۔ تو کسی شے کے حاصل کرنے کا ذریعہ اس شے یعنی ذی ذریعہ سے کمزور ہوتا ہے تو مال جو دنیا کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے وہ بہت زیادہ ادنےٰ اور کمزور ہوا۔ یہ کائنات عقبےٰ سے ادنیٰ ہے اور مال اس کائنات سے ادنیٰ ہے تو یہ مال جو ہے دنیا ہوا۔ اس کو مال سے محبت ہے۔ تو یہ بتایا کہ اس کو مال سے اتنی محبت ہے کہ اپنا مال نہ دے نہ دے وہ دوسرے ہی سے دلوا دیتا۔ مگر وہ یہ بھی نہیں کرتا تو اس کو صرف مال سے محبت ہے اور مال کیا ہے۔ یہ مقاصد کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ جسمانی لذتوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اس کی حقیقت کچھ نہیں ہے دین اور علم سے ادنیٰ ہے علم روحانی لذتوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں تو جو نسبت روح کو بدن سے ہے وہی وہی نسبت روح کی لذت کو بدن کی لذت سے ہے اور وہی نسبت روح کی لذت کے ذریعہ کو بدن کی لذت کے ذریعہ سے ہے اور جس طرح جسم بغیر روح کے مُردہ ہے اسی طرح بدن کی لذت روح کی لذت کے بغیر مردہ ہے اور اسی طرح بدنی لذت کا ذریعہ روحانی لذت کے ذریعہ کے بغیر مردہ ہے یعنی مال بغیر دین کے مردہ ہے اور صاحب مال بغیر صاحب دین کے مردہ ہے۔

پہلے بتایا کہ یہاں تین چیزیں ہیں۔ حاجت، ضرورت اور محبت، حاجت اور ضرورت اس لئے ہے کہ اس سے بدن کو مقوم کیا جائے اور جب وہ تیار ہو گیا تو اب محبت اس شے سے متعلق ہو گی جس کے لئے یہ مقوم ہوا ہے اور مطلوب اور مقصود اس جہان میں راحت عظمےٰ ہے تو محبت راحت عظمےٰ کے ساتھ ہو گی اور کسی شے کے ساتھ نہ ہو گی یعنی اصل مقصود اور قابلِ محبت صرف دین کی طلب ہے۔ یہاں ہوا یہ کہ مقصود سے ہٹ کر ذریعہ سے محبت ہو گئی یعنی دنیا سے محبت ہو گئی، اور دین سے غفلت ہو گئی

Marfat.com

مثال سمجھئے کہ مقصود ایک کوٹھی تک جانا ہے اور راستہ اور مسافت وہاں پہنچنے کا واسطہ اور ذریعہ ہے۔ اب اگر کوئی کوٹھی بھول گیا اور ساری عمر راستے میں پریشان ہو گزار دی اور منزل تک نہ پہنچا تو منزل تک نہ پہونچنا ہی ذریعہ میں مصروف ہو جانا اور ذریعہ میں مصروف ہو جانا ہی منزل اور مقصود کی تکذیب ہے اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ خود یتیم کو دھکے دینا اور دوسروں سے بھی مال کا خرچ نہیں کرانا علامت ہے تکذیب دین کی، جو ایسا کرتا ہے وہی دین سے بے خبر ہے اور دین کی تکذیب کرتا ہے یہی ہم کو ثابت کرنا تھا۔ کم سے کم مال خرچ نہیں کرتا۔ آج کل دو آنے میں اور اس تک میں دو پیسے میں پیٹ بھرتا تھا۔ وہ اتنا مال بھی صرف نہیں کرتا۔ اس کو اس قدر پیسے کی محبت ہے۔ ذرائع سے محبت کرنا ہی مقصود کی تکذیب ہے۔ اللہ سب کو اس کی آفت سے محفوظ رکھے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ

ویل کے معنی، افسوس، جہنم کا گڑھا، حسرت۔ یہ لفظ مصیبت کے وقت بولا جاتا ہے۔

ساہی جمع ساہون کی۔ ساہون مشتق ہے سہو سے جس کے معنی بھولنا۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو اپنی نماز سے بھولے ہوئے یعنی بے خبر ہیں۔ آگے ایک لفظ عن ہے عن بمعنی بُعد عن صلوٰتہم۔ اپنی نمازوں سے بعید ہو گئے۔ تارک الصلوٰۃ ہو گئے۔ یعنی ان کی طبیعت صلوٰۃ سے بعید ہو گئی۔ ان کے لئے ویل ہے۔ مگر تارک الصلوٰۃ کے لئے ایسی عظیم الشان وعید نہیں ہے تارک الصلوٰۃ فاسق تو ہے مگر محض ترک صلوٰۃ موجب ویل نہیں ہے۔ ویل ہے کافر اور منافق کے لئے۔ دوسرا وقت یہ ہے کہ مصلی کا

Marfat.com

لفظ ہے جو بتلاتا ہے کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ تارک الصلوٰۃ نہیں ہیں۔ پھر نماز پڑھتے ہوئے نماز سے بے خبر رہنے کے کیا معنی بعض مفسرین نے اس کی تاویل کی کہ عن کے معنی یہاں فی کے ہیں اور ایک بزرگ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا۔ کہ اللہ کا شکر ہے کہ خدا نے عن کہا اور فی نہ کہا۔ کیونکہ نماز میں تو ہر شخص بھولتا ہے۔ پھر سجدہ سہو تو مشروع ہے۔ اگر موجب ویل ہوتا تو مشروع کیوں ہوتا۔ ایک بات اور بھی ہے کہ ایک مرتبہ حضور (صلعم) کو بھی سہو ہو گیا تھا۔ پھر کیا معنیٰ۔ اس کے متعلق کوئی پتہ نہیں چلتا۔ ویل ہے کافر کیلئے، منافق کے لیے۔ تارک کے لیے نہیں ہے۔ تارک اخلاص کے لئے ہے۔ مومن کے لئے ویل نہیں ہے۔ مومن تارک الصلوٰۃ فاسق و فاجر تو ہوتا ہے مگر کافر اور منافق نہیں ہوتا۔ مومن کے لئے ضروری نہیں کہ پوری شریعت کا عامل ہو اور پوری شریعت کا عامل تو صرف نبی ہوتا ہے۔ صدیقین میں بھی کچھ نہ کچھ کمی ہوتی ہے۔ تعداد کے لحاظ سے مقدار کے لحاظ سے اور نوعیت کے لحاظ سے تو بالکل فرق ہوتا ہے۔ صدیق کے عمل کو نبی کے عمل سے وہ نسبت بھی نہیں جو بیٹے کی نماز کو باپ کی نماز سے ہوتی ہے۔ باپ کی نماز بچے کی نماز سے زیادہ قوی ہوتی ہے کہ بچہ اِدھر اُدھر دیکھتا رہتا ہے تو مصلیٰ کے لفظ کے ساتھ عن کا لفظ یہ دقت پیدا کرتا ہے اس کا مجھے کوئی جواب کہیں نہیں ملا۔ ہاں ایک بات میرے خیال میں آئی وہ میں آپ کے سامنے بیان کر دیتا ہوں۔ یہ بڑا خطرناک مقام ہے۔ کوئی بات اپنی رائے میں ایسی کہہ دینی جو خدا کی مراد نہ ہوئی تو بہت بری چیز ہے۔ دعا کریں کہ خدا صدق مقال عطا کرے۔ غلط راستے سے بچائے۔

اصل میں دقت یوں پیدا ہوئی کہ آیت ساہون پر ختم ہو گئی اور یہ ٹکڑا

Marfat.com

یہیں رک گیا اور جملہ پورا نہیں ہوا۔ قرآن میں اور بھی جگہ اسی قسم کی آیات ہیں جو مکمل جملہ نہیں ہیں۔ مثلاً والفجر جملہ مکمل نہیں ہے تو یہ دوسری آیت پہلی آیت کے ساتھ ہے۔ کہ وہ کون سے نمازی ہیں جو اپنی نمازوں سے بے خبر ہیں اور بھولے ہوئے ہیں وہ۔ وہ نمازی ہیں جو درحقیقت نماز نہیں پڑھ رہے ہیں۔ بلکہ صرف دکھاوا کر رہے ہیں نماز نہیں پڑھ رہے ہیں بلکہ صرف مراءی ہے۔ الذی صفت کا صیغہ ہے وہ یہ بتاتی ہے کہ موصوف کون لوگ ہیں۔ یہاں یہ اور سمجھ لیں کہ سہو کیا ہے۔ قوت دراکہ سے مدرک کا علیحدہ ہو جانا۔ مثلاً آنکھ کے سامنے کتاب ہے آپ اس کو دیکھ رہے ہیں جب کتاب سامنے سے ہٹا دیں گے کتاب دیکھنا ختم ہو جائے گا مگر وہ کتاب آپ کے تصور اور خیال میں باقی رہے گی۔ یا کسی مضمون کا خیال کر رہے ہیں تو قوت وہم جو دماغ کے اندر ہے وہ مدرک ہے ان تمام جزئیات کا۔ جب مدرکات سامنے سے ہٹ جاتے ہیں تو یہ قوت وہم فوراً ان تمام مدرکات کو اپنے خزانچی حافظہ کے سپرد کر دیتا ہے۔ قوتِ دراکہ حس مشترک ہے۔ جب مدرکات سامنے سے ہٹ جاتے ہیں تو یہ اپنے خزانچی خیال کو دے دیتا ہے۔ تو سہو کیا ہے۔ خزانہ میں موجود اور دراکہ سے غائب۔ اگر خزانے میں بھی نہ ہو تو وہ سہو نہیں۔ نسیان کہلاتا ہے۔ یہ ادنیٰ تامل سے یاد آجاتا ہے۔ اگر خزانے میں بھی نہ ہو تو کسب جدید کرنا پڑتا ہے اور دوبارہ کوشش کرنا ہوتی ہے معمولی تامل سے نہیں آتا۔

تو ایسا معلل جس کے خیال میں تو یہ موجود ہے اور اچھی طرح جانتا ہے کہ نماز کیا چیز ہے۔ مگر جو عمل وہ کر رہا ہے وہ صرف دکھانے کے لئے کر رہا ہے۔ اصل نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔ سب منافق یہ جانتے ہیں کہ عبادت نفسوس نے صرف اللہ کے

Marfat.com

لئے۔ غیر اللہ کے لئے عبادت نہیں ہے غیر اللہ لا عبادت ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جس شے کے لئے ان کی تخلیق ہوئی ہے اس میں اپنی تخلیق کو خرچ کرنا عبادت ہے مگر یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ اپنی تخلیق کو اپنے رب پر نثار نہیں کر رہا ہے بلکہ صرف وہ دکھا رہا ہے اور دھوکہ دے رہا ہے کہ وہ رب پر نثار ہو رہا ہے۔ یہی معنیٰ ہیں نماز سے بے خبر ہونے کے۔ ویمنعون الماعون۔

ماعون ان معمولی معمولی استعمال کی چیزوں کو کہتے ہیں کہ اگر ان کو صرف نہ کیا جائے تو بخیل کہلائے۔ کوئی شخص آپ کی گھڑی آپ سے طلب کرے اور آپ نہ دیں تو آپ کو کوئی برا نہ کہے گا۔ مگر ایک دیا سلائی آپ سے طلب کی جائے اور وہ بھی آپ نہ دیں تو یہ بری بات کہلائے گی اور ایسی معمولی معمولی اشیاء بھی جو نہ دے وہ بخیل کہلائے گا۔ تو جو شخص ایسی حقیر چیزیں صرف نہ کرتا ہو وہی تکذیب دین کرتا ہے۔ ایسا شخص نماز سے بے خبر ہے اور جس مقصد کے لئے وہ تخلیق ہوا ہے اس میں اپنے کو صرف نہیں کرتا بلکہ لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے کہ وہ صرف کر رہا ہے یہی منافقت ہے اور نماز سے بے خبری ہے کبھی انسان دوسروں کو دکھاتا ہے یہ منافقت ہے اور کبھی اپنے آپ کو دکھلاتا ہے اس کو اعجاب اور خود پسندی کہتے ہیں۔ یہ ریائے نفس ہے کہ نیکی کر کے خوش ہوتا ہے کہ اس نے نیکی کی یہ بھی بہت بُری چیز ہے رسولؐ نے تین چیزیں مہلک بتائی ہیں ان میں سے ایک اعجاب بھی ہے اللہ ہم کو آپ کو سب کو اس سے محفوظ رکھے مثلاً آپ ڈالی بھیجیں اور دیکھتے رہیں کہ پہونچی یا نہیں تو جب تک آپ کو ڈالی نظر آتی رہے گی وہ نہیں پہنچی۔ جب پہنچ جائیگی آپ کی نظر سے اوجھل ہو جائیگی تو جب تک آپ اپنی نیکی پر نظر رکھیں گے وہ صاحبِ ارض و سما کی بارگاہ تک نہیں پہنچے گی۔

Marfat.com

ہدیہ بہ بارگاہِ رسُول مقبُول صلی اللہ علیہ وسلّم

اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَّیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ (مسلم شریف)

تفسیرِ اُلوُہی

جلد چہارم

پارہ عم کے چند رکوعات کی جامع تفسیر

از

حضرت امام المتکلمین و محققین علامہ حافظ محمّد ایوّب صاحب
دہلوی قدس اللہ سرّہٗ

مکتبہ رازی
۱۵۱۔ شہباز سٹیشن
محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی ۱

Marfat.com